حیات طیبہ، قرآنی اسلوب حیات

مسعود طالبی مقدم[1]

ترجمہ: سید نجیب الحسن زیدی

خلاصہ:

قرآن کی روشنی میں صحیح طرز زندگی توحید کی مرکزیت پر منحصر ہے، وہ زندگی جس کا محور خدا ہو وہ زندگی جو امنیت و سکون کے ساتھ اضطراب و بے چینی سے ماوراء ہو عصر حاضر میں علم و ٹیکنالوجی کی پیشرفت کے برخلاف خود انسان انواع واقسام کی دینی و ثقافتی یلغار سے روبرو ہے، ایسی یلغار جو اسے شناخت اور خود اس کی اپنی پہچان کے بحران سے دوچار کر رہی ہے نتیجہ میں انسان کے سامنے ایک ایسی زندگی ہے جس میں سر گردانی و حیرانی ہے، لہٰذا دور حاضر کی اہم ضرورت میں سے ایک حقیقی زندگی کی پہچان ہے، یہ کائنات اللہ کی رحمت رحمانیہ کی تجلی ہے ایک ایسا راستہ ہے کہ جس پر چل کر ہر انسان اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے وہ کمال مطلوب جس کا ثمرہ مقام خلیفۃ اللّٰہی و قرب معبود تک پہنچنا ہے۔ وہ زندگی جس کی طرف خدا انسان کی رہنمائی کر رہا ہے ایسی پاکیزہ زندگی ہے جس میں حقیقی حیات کا پرتو چھلکتا ہے، حیات طیبہ میں انسان کی خواہشوں کو قرب الٰہی کی راہ میں گامزن کیا جاتا ہے اور انسان کا مطمع نظر اس حیات میں محض مادی زندگی کی لذتوں کا حصول نہیں رہ جاتا بلکہ دنیاوی زندگی کو بھی قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنایا جاتا ہے یہ وہ نظریہ حیات ہے جو انسان کو نہ صرف عالمی منظر نامے سے دور نہیں کرتا بلکہ معاشرہ کو ایمان، عمل صالح اور قرب الٰہی کے سایے میں زندگی گزارنے اور ترقی کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس دور میں جو کہ عصر غیبت ہے صحیح اسلوب حیات کی پہچان ان گھرانوں کی تربیتی ذمہ داریوں میں سے ہے جو کہ منجی بشریت کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں اس لئے کہ ان کی اہم ذمہ داری امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اور آپکی تمناؤں کو پیکر عمل میں ڈھالنے کے لئے ایک باصلاحیت و با استعداد انسان کی تربیت ہے، روایات کی روشنی میں حیات طیبہ کی مکمل تجلی تو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے قیام کے دور میں امام علیہ السلام کی معرفت کے حصول اور ان کے

ساتھیوں کے صفات کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے پر ہی ہوگی لیکن ہم اس مقالے میں کوشش کریں گے کہ آیات و روایات سے استفادہ کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کریں کہ صحیح اسلوب حیات ہے کیا؟ خاص کر عصر غیبت میں اس کی تجلی کو ہم اس تحریر میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

کلیدی الفاظ : اسلوب حیات ٗانسان؛قرآن ، اسلام ، حیات طیبہ ،

مقدمہ :

عام طور پر انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں تناؤ و دباؤ جھیلنا پڑتا ہے ، دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ معمول کی زندگی دباؤ اور تناؤ کے ساتھ گزر رہی ہے یہ وہ دباؤ ہے جس کی وجہ بھی خود انسان ہی ہے ، اس لئے کہ ہر انسان جس مقام و جگہ پر کیوں نہ ہو آسائش کو چاہتا ہے ہر ایک کی آرزو یہی ہے کہ ایسی زندگی گزارے جس میں کوئی ذہنی تناؤ نہ ہو کوئی فکرمندی نہ ہو، دوسری طرف انسان کی زندگی کے ساتھ اضطراب پریشانیاں ، افسردگیاں و رنجیدگیاں اس طرح شامل ہیں کہ ان الجھنوں نے انسان کو مقصد حیات سے دور کر دیا ہے زندگی اپنے آپ میں ایک ایسا سخت و پیچیدہ معمّہ بن کر رہ گئی ہے کہ اگر انسان خود بھی اس کی پیچیدگی میں کچھ اضافہ کرے تو اس میں کچھ بھی نہیں بچے گا ، عام طور پر انسان اپنی زندگی میں ہمیشہ گزرے ہوئے کل کے بارے میں یا ان غلطیوں کے بارے میں سوچتا ہے جو اس نے ماضی میں انجام دی ہیں یہ اسکی مشکل ہے کہ گزرے ہوئے کل کے بارے میں سوچ سوچ کر خود کو ہلکان کیے رہتا ہے اور اس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ آج کے دور میں جئیے یہی مسئلہ انسان کی زندگی میں افسردگی و فکرمندی کا مقدمہ بنتا ہے۔ حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں : جب اندھیرے و گھٹاٹوپ راتوں کی صورت فتنے تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیں تو تم پر لازم ہے کہ تم قرآن کی پناہ میں آؤ۔ [1]

پیغمبر ص کی یہ روایت انسانوں کو اس بات کی طرف دعوت دیتی ہے کہ جب وہ فتنوں اور سختیوں کا سامنا کریں تو قرآن کی پناہ میں آئیں قرآن بہترین کلام ہے چونکہ کلام خدا ہے اور ذات حق کے لامتناہی علم اسکی بے پایاں

۱۔اِذَا التَبَسَت عَلَیکُمُ الفِتَنُ، کَقِطَعِ اللیلِ المُظلِمِ فَعَلَیکُم بِالقُرآنِ (کلینی، ۱۴۰۷، ۲: ۴۵۹)

قدرت کے سرچشمے سے جاری ہو رہا ہے، لہٰذا دیکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم انسانی زندگی کی مشکلات سے نکلنے اور قرآنی اسلوب حیات تک پہنچنے کا کیا راستہ بیان کر رہا ہے۔ قرآن کریم مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ایسا خیر خواہ ہے جو ہرگز خیانت نہیں کرتا۔[1]

قرآن نے انسانی زندگی کے لئے ایک خاص طرز و روش کو پیش کیا ہے جسے حیات طیبہ کہہ کر یاد کیا گیا ہے تاکہ انسان اس پاکیزہ حیات کے ذریعہ اپنے رب سے نزدیک ہو سکے اور اسکے صفات کا مظہر قرار پا سکے۔

عصر غیبت میں قرآنی اسلوب حیات کی شناخت:

عصر حاضر میں جو کہ عصر غیبت ہے قرآنی اسلوب حیات کی شناخت کیسے ہو یہ اہم سوالات میں سے ایک ہے اس لئے کہ ہمارا اہم فرض اس عصر میں یہی ہے کہ ایسی نسل کی عصر ظہور کے تقاضوں کے مطابق تربیت کر کے پروان چڑھائیں جو امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی نصرت کر سکے، جب ہم ایسی آیات و روایات میں غور کرتے ہیں جن میں ظہور کے دوران صحیح زندگی کیسے متحقق ہو گی، تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے دور کی حکومت وہ حکومت ہے جو صالحین کی ہو گی اور حیات طیبہ وہ زندگی ہے جو آپ کی ولایت کے سایے میں وقوع پذیر ہو گی، قرآن کریم حیات طیبہ کو خاص قرآنی اسلوب حیات کے طور پر پیش کر کے یہ چاہتا ہے کہ انسانی زندگی کی کیفیت کو بہتر بنائے اسے بہبودگی عطا کرے ہرگز قرآن مطلق طور پر روش حیات کو یکساں طور پر ایک جیسا نہیں بنانا چاہتا۔[2] یعنی ایسا نہیں ہے کہ قرآن ایک جیسی زندگی سب کے سر تھوپنا چاہتا ہو بلکہ دیکھا جائے تو مختلف معاشروں میں پاکیزہ، طیب و صحیح زندگی ہر علاقے کی آب و ہوا وہاں کی فضا اور ہر سماج میں پائی جانے والی قدروں کے مطابق ڈھل کر سامنے آتی ہے اور ہر معاشرے کے اقدار آداب و رسوم اس کے کلچر و تہذیب کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔

اس تحقیق میں جس چیز پر توجہ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے سب سے پہلے اسلوب حیات کی تعریف کی ہے اس کے بعد حیات طیبہ کے مفہوم کی وضاحت کی ہے پھر حیات طیبہ کے حصول کے عوامل و محرکات کو قرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اس حیات کی منزلت عصر غیبت میں کیا ہے؟ اس

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۶

۲۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ۱۲: ۴۹۱

طرح قرآنی اسلوب حیات کی تشریح کے ساتھ اس روش حیات کی عصر غیبت میں مختلف لوگوں کے لئے تشریح کی گئی ہے وہ لوگ جن میں سے کچھ تو غافل ہیں اور کچھ وہ مذہبی لوگ بھی ہیں جو زندگی کے تمام حالات میں دینی دستورات کے مطابق زندگی گزارنے کے پابند نہیں ہیں اور دینی دستورات کے مطابق کوئی انکی پائیدار زندگی نہیں ہے۔

اسلوب حیات کے مفہوم کی وضاحت

اسلوب حیات ایسے طرز عمل اور اور انسان کی زندگی میں پائے جانے والے ایسے عمل و کردار کے ایک ایسے مجموعے سے متعلق ہے جس میں اجتماعی زندگی کے معیاروں پر توجہ کی گئی ہو۔ یہ مجموعہ ایسے مجزاوایک دوسرے سے مختلف اصولوں کو وجود میں لا سکتا ہے جو مختلف لوگوں کے کردار و عمل اور ان کے طرز سلوک سے پردہ برداری کے ساتھ لوگوں کے عقائد ویقین کے کم وکیف وسلسلہ اقدار کی ترجمانی بھی کرے۔ [1]

اسلوب حیات کا دائرہ انسان کے خدا کے ساتھ، اپنی ذات کے ساتھ، گھر اور معاشرے حتی فطرت کے ساتھ رابطہ کے وسیع افق کو شامل ہے۔اسلامی اسلوب حیات کا مطلب انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کے نفاذ پر توجہ دینا ہے اور ایک معین تقسیم بندی کے ذریعہ انسان کے خدا اپنے آپ اور خلق خدا کے درمیان سہ طرفہ رابطہ کے پیش نظر ایک پرہیزگارانہ زندگی کا تصور پیش کیا جاسکتا ہے ایسی زندگی جس میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے فرمودات وانکی سیرت پر تکیہ کرتے ہوئے جینے کی مشق کی جائے۔ [2]

اسلوب حیات یا طرز زندگی ایک ایسی جدید اصطلاح ہے کہ انگریزی میں اسے life style کہا جاتا ہے، معاشرتی علوم میں اسلوب حیات کو شیوہ زندگی سے ہٹ کر دیکھا گیا ہے انگریزی میں اسے way of life کہا جاتا ہے، اس لئے کہ شیوہ زندگی ایک عام وکلی مفہوم ہے جس میں ہر شیوہ اور ہر طرز داخل ہے اور یہ ہر تمدن وہر دور کی

۱۔ فاضل قانع، ۱۳۹۲: ۵۱

۲۔ پورامینی، ۱۳۹۲: ۱۷-۱۸

تاریخ کو شامل ہے چاہے جدید دور سے قبل کا زمانہ ہو یا دوران جدید حتی ماڈرن دور کے بعد تک کے عرصہ حیات پر بھی شیوہ حیات کا اطلاق ہوتا ہے۔ [1]

شیوہ حیات و طرز زندگی کے درمیان جو نسبت پائی جارہی ہے وہ عموم خصوص من وجہ کی ہے اس لئے کہ طرز زندگی، شیوہ حیات کے بطن سے ہی نکلتی ہے وہیں سے اس کا وجود سامنے آتا ہے طرز زندگی در حقیقت وہی شیوہ حیات ہی کا ایک نمونہ ہے اور اسے خاص انداز اور مخصوص قالب میں سمو دیا گیا ہے نمونے کے طور پر شیوہ زندگی میں مغرب والے مختلف طرز زندگی کو پیش کر سکتے ہیں جیسے فرانسوی طرز ،برطانوی طرز امریکی طرز یہ سبھی طرز ایک شیوہ زندگی کے اندر پائے جاتے ہیں۔ [2]

اسلوب حیات یا طرز زندگی کے سامنے آنے میں خاص عناصر کارفرما ہیں ان میں سب سے اہم عناصر میں جدید معاشرتی طبقے ، جدید سوسائٹی کی اقتصادی پشت پناہی، روز مرہ کی زندگی ، جدید ٹیکنالوجی ، بغیر ضرورت کے مصرف ، سرمایہ دارانہ سماج کا سامنے آنا ، سرمایہ داری کے جڑے رشتوں کی معاشرے پر مطلق حاکمیت ،فراغت و فرصت کے مفاہیم کا دور جدید میں ظہور و بروز ذرائع ابلاغ وغیرہ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ہم طرز زندگی کے عناصر کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ [3] امریکی طرز زندگی میں انفرادیت ،فردی آزادی، گھر و خاندان سے گریز، یہاں تک کہ گھر گرہستی سے بیزاری بے ضرورت خرچ consumerism، ہذیان آمیز تیزی ، وقت کا اضطراب ، تیار شدہ غذائیں جیسے جنک فوڈ و فاسٹ فوڈ شدید طور پر تنوعیت و رنگین مزاجی اور اسی قسم کے دوسری چیزوں کو دیکھا جا سکتا ہے ، ہر زمانے کا اسلوب حیات وقت اور مقام کے اعتبار سے دوسری جگہوں سے مختلف ہو سکتا ہے ہر چند مجموعی طور پر خاص شیوہ زندگی کے دائرہ میں سبھی شامل رہتے ہیں۔ [4] مثال کے طور پر ایرانی و اسلامی شیعت کا طرز حیات عراقی و اسلامی تشیع کے اسلوب حیات سے مختلف ہے ایسا ہی سنی مذہب کے روش حیات میں بھی ہے وہ بھی ایسے عراقی اسلامی طرز کی حامل ہو سکتی ہے جو دیگر جگہوں سے مختلف ہو ،اسی بنیاد پر عصر حاضر میں اسلامی و ایرانی تشیع کی روش حیات شاہان قاچاریہ کے دور یا اس دور سے پہلے کے ادوار

۱۔ مہدوی کنی، ۱۳۸۷ء،۱: ۲۰۱

۲۔ایضا،۱: ۲۱۲-۲

۳۔ ایضا،۱: ۲۱۶

۴۔ایضا

سے مختلف ہو سکتی ہے یہ سب کے سب اپنے اپنے مختلف اسالیب کے باوجود مجموعی طور پر ایک اسلامی روش حیات کے چوکھٹے میں ہی آتے ہیں۔

اسلوب حیات کے موضوع پر گفتگو کی اہمیت

طول تاریخ میں انسان کی سب سے اہم ضرورت یہ رہی کہ اس کی زندگی سکون سے گزرے، نشیب و فراز و الجھنوں سے خالی ہو حتی طول تاریخ میں جن انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ان کی من جملہ ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری یہی تھی کہ ایسے اسلوب حیات کو پیش کیا جائے جس میں چین و سکون ہو، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہت سے انبیاء کی طرح اس بات کی کوشش کی کہ دینی اسلوب حیات کو اسلامی شیوہ حیات کے وسیع دائرہ میں پیش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شدید طور پر جاہلانہ طرز زندگی و جاہلانہ فکر سے مقابلہ کیا اور جاہلیت کے کلچر کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس دور کے کلچر کی بعض چیزوں کو نا قابل قبول قرار دیا اور بعض چیزوں کو درست قرار دیتے ہوئے ان پر اپنا صاد بنایا اور انکے جواز پر دستخط کئے۔ [1]

بعثت، حقیقت میں ایک انقلاب کی نوید تھی، ایک تبدیلی کا آغاز تھا ایسی تبدیلی جو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کے وجود میں رونما ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے غیب سے دائمی طور پر متصل کر دیا اگرچہ آپ کی ذات پہلے سے متصل بہ غیب تھی لیکن سلسلہ وحی نے اس اتصال کو اور بھی عمیق بنا دیا۔ بعثت نے پہلے روح پیغمبر میں انقلاب بپا کیا پھر اس کے اثرات معاشرے میں رونما ہوئے اس لئے کہ بعثت سے پہلے کا معاشرہ ظلم و شرک و فساد میں مبتلا تھا یہی معاشرہ اتنا تبدیل ہوا کہ توحید و عدالت و صلح کی طرف گامزن ہو گیا ایمان کی روشنی کے پھیلنے کے ساتھ ہی یہ تبدیلی اور عمیق و وسیع ہو گئی اسلامی مآخذ میں اس شروعاتی دور کو جس میں بعثت کا آغاز ہوا ہے دور جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [2]

۱۔ سید رضی، ۱۳۷۹: ۱۰۶

۲۔ ابن عاشور، ۱۹۹۹ء، ۳: ۲۵۹

در حقیقت زندگی کا سلیقہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لئے لیکر آئے تھے اس طرز حیات کا حامل تھا جو توحیدی بنیاد پر قائم تھا یہ وہ طرز ہے جو اپنے ساتھ سکون وامنیت بھی رکھتا ہے۔ لیکن عصر حاضر میں ٹیکنالوجی کی پیشرفت کے باوجود بشر کو انواع واقسام کی یلغاروں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے انجام کار انسان کی زندگی میں ایسے نشیب وفراز ہیں جن کی بنا پر اسے سکون نصیب نہیں اور وہ بے چینی وافسردگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں حقیقی زندگی سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی ہی کیا جس میں انسان کو سکون نصیب نہ ہو سکے۔ خداوند متعال کے منشاء کے مطابق زندگی کے طرز کی شناخت اور اسی کی راہ میں حرکت انسان کی ضرورتوں میں سے ایک ہے اسی بنیاد پر قرآنی طرز حیات کو حیات طیبہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے در حقیقت انسانی اخلاق تک پہنچنا حیات طیبہ تک پہنچنا ہے وہ حیات طیبہ جسے قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ صرف ایک بار بیان کیا ہے اور ایک ہی بار اس سے گفتگو کی ہے اس حیات کی پاکیزگی کے ساتھ توصیف اس بات کی ترجمان ہے کہ یہ وہ حیات ہے جو ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک ہے اور اس حیات کا نتیجہ دنیاوآخرت کی تعمیر وفلاح ہے۔ یہ بحث و گفتگو وہ ہے جو اسلوب حیات کی اہمیت کو واضح کرتی ہے اور انسان کو اس بات پر وادار کرتی ہے کہ اس پاکیزہ حیات کے حصول کے درپے رہے۔

قرآنی اسلوب حیات اور حیات طیبہ

قرآن کریم نے انسان کے لئے ان تمام چیزوں کو بیان کیا ہے جو ہونا چاہیے اور ان باتوں کو بھی پیش کیا ہے جو نہیں ہونا چاہیے بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں قرآن کریم نے بیان کیا ہے زندگی میں کیا ہونا چاہیے اور بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں قرآن نے واضح کیا ہے کیا نہیں ہونا چاہیے قرآنی دستور کے مطابق زندگی میں وہ چیزیں جنکا ہونا ضروری ہے اور وہ چیزیں جن سے پرہیز ضروری ہے اگر ہم انکا لحاظ کریں اور اس بات کی رعایت کریں کہ زندگی میں وہی ہو جسے قرآن نے چاہا ہے اور اس سے پرہیز ہو جس سے قرآن نے روکا ہے تو یہی چیز طرز زندگی کو تشکیل دینے والے عوامل میں سے ایک ٹھہرے گی۔ پیش نظر تحریر میں ہم ان چیزوں کا ایک ایک کرکے جائزہ نہیں لیں گے جو قرآن کی نظر میں ہونا چاہیے یا جن سے پرہیز ضروری ہے بلکہ یہاں پر ہم صرف اس بات پر اکتفا کریں گے کہ قرآن نے طرز زندگی کے لئے ایک خاص نمونہ حیات کو ایک خاص شیوہ زندگی کو مد نظر رکھا ہے جسے قرآن میں ہم اعتقادی و کلامی مباحث، اخلاقی و تاریخی اور عبادی و احکامی مفاہیم

کے مجموعے پر غور کر کے حاصل کر سکتے ہیں اور قرآن کی آیات میں تدبر کے ذریعہ قرآن کے خاص اسلوب حیات تک پہنچ سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں زندگی محض ولادت سے موت تک میں نہیں سمٹی ہوئی ہے بلکہ زندگی موت کے بعد بھی روان دواں ہے[۱] یہ ایک بہت اہم نکتہ ہے کہ موت کو قرآن نے ایک تبدیلی کے مرحلہ کے طور پر پیش کیا ہے نہ اختتام زندگی۔ ولادت سے پہلے کا مرحلہ جہاں انسان شکم مادر میں ہے اور ابھی اس نے دنیا میں قدم نہیں رکھا ہے اور ولادت کے بعد کا مرحلہ انسان کی زندگی کے ایک بہت ہی حیاتی پہلو کا حامل ہے اور وہ ہے انسان کی تربیت کہ جس کے سایے میں انسان مطلوبہ کمال و سعادت تک پہنچتا ہے، زندگی کا طریقہ، کردار، اخلاق حتی دوران حمل ماں کی غذا اس مرحلہ میں بہت اہم ہے اور انسان کی روش زندگی میں اثرانداز ہوتی ہے۔ لیکن مطلق طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہی چیزیں اولاد کی روش حیات میں کار گر ہیں بلکہ یہ ایک ایسا محرک ہے جو انسانی طرز حیات میں موثر کردار ادا کرنے والے عوامل میں شمار ہوتا ہے۔

یہ وہ عامل ہے جو جنٹیکل طور پر ماں حتی باپ سے اولاد کے اندر منتقل ہوتا ہے لہٰذا والدین کے طرز حیات کو اولاد کی روش حیات میں ایک موثر عامل و محرک کی صورت میں دیکھنا چاہیے نہ کہ مطلق طور پر یہ کہا جائے کہ جیسے والدین کی زندگی ہوگی اولاد کی روش زندگی بھی ویسی ہی ہوگی، تربیت وہ بنیادی مرحلہ ہے جو انسان کے نہائی مقصد حیات تک پہنچنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

قرآن کی نظر میں دنیاوی زندگی یا مادی ہوگی چونکہ نچلی سطح کی زندگی کی چنداں اہمیت نہیں ہے اسے قرآن نے کھیل کود سے تعبیر کیا ہے یہ بہت ہی مختصر و ناپائدار ہے[۲] لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ قرآن نے دنیاوی زندگی کو بالکل نظرانداز کر دیا ہو اور اس کے لئے کوئی نظام زندگی نہ دیا ہو کوئی منصوبہ اس وقتی و گزر جانے والی زندگی کے لئے نہ بنایا ہو۔ قرآن کی نظر میں یہ کائنات بے ہودہ اور بلاوجہ خلق نہیں ہوئی ہے بلکہ کائنات کی خلقت حق ہے اور یہ معین ہدف کی طرف آگے بڑھ رہی ہے[۳] دوسری طرف خداوند متعال نے جو کچھ بھی

۱۔ «نحنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيوةِ الدنيَا وَفِي الاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدعُونَ» (فصلت: ۳۱).

۲۔ «وَمَا الْحَيوةُ الدنيَا إِلا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدارُ الاٰخِرَةُ خَيرٌ للذِينَ يَتقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ» (انعام: ۳۲)

۳۔ مذکورہ حوالہ، ص: ۲۷، روم: ۸، آل عمران: ۱۹۱، عنکبوت: ۴۴، جاثیہ: ۲۲، تغابن: ۳، انعام: ۷۳، یونس: ۵، ابراہیم: ۱۹، نحل: ۳، انبیاء: ۱۶، زمر: ۵)

زمین و آسمانوں میں ہے اسے اس لئے خلق کیا ہے کہ سب کچھ انسانی زندگی کی خدمت میں ہو اور اس کے کمال کی راہ میں معاون ہو۔ [۱]

لیکن جہاں تک حقیقی حیات (معنوی زندگی) کے تصور کی بات ہے تو قرآن کریم نے اس حقیقی حیات کو خداوند سبحان سے مخصوص جانا ہے اور تمام موجودات جو بھی دنیا میں ہیں اسی حقیقی حیات سے بہرمند ہیں جس کا مالک رب الارباب ہے سبھی اسی حیات سے استفادہ کر رہے ہیں۔

در حقیقت یہ کائنات رحمت رحمانی رب کا مظہر ہے ایک ایسی راہ جس پر چل کر ہر موجود اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ انسان بھی اسی رحمت کے ذریعہ اپنے کمال تک پہنچتا ہے وہ کمال جو مقام خلیفہ اللہی و صفات الہی کے مظہر ہونے سے عبارت ہے۔ [۲]

وہ حیات جو اس مقام کے حصول کے لئے خداوند متعال نے پیش کی ہے اسی کو حیات طیبہ کہا جاتا ہے یہ حیات طیبہ خداوند متعال کی حقیقی حیات کی تجلی ہے وہ حیات جو ہر ایک خباثت و آلودگی سے پاکیزہ ہے [۳] در حقیقت حیات طیبہ ایسی زندگی ہے جو مادی و معنوی حیات کے درمیان ایک درمیانی راہ کے انتخاب کی بنا پر انسان کو دنیا و آخرت میں پر سکون بناتی ہے یہ ایک طرح سے اخلاقی حیات بھی ہے، اس لئے کہ انسان اسی وقت انسان کہے جانے کے لائق ہے اسی وقت مقام قرب الہی تک پہنچنے کی صلاحیت کا حامل ہوگا جب اچھے اخلاق کا مالک ہوگا انسانی صفات حسنہ کا مالک ہونا انسان کی معنوی شخصیت کے بارور ہونے اور اس کے نکھرنے کا سبب ہے اور اخلاق حسنہ صرف اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی سعادت و خوشبختی کا سبب ہے اور اگر اخلاق کا فقدان ہو تو انسان ایک ایسا خطرناک جانور بن جائے گا جو اپنی صلاحیتوں سے سرشار ذہن کو اس راستے میں استعمال کرے گا جو مطلوب پروردگار نہیں ہے وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کا استعمال اس راستے پر نہیں کرے گا جو خدا نے اس کے لئے معین کیا ہے بلکہ غیر الہی راستے پر چل پڑے گا [۴]۔ ہر زندگی ایک ایسے محور کی محتاج ہے جو اس محور تلے آنے والے تمام سوالات کا جواب دے اور اس کے ذیل میں آنے والے تمام زندگی سے جڑے مسائل کو معنی و مفہوم عطا کرے، یہی محوریت انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور انسان کے کردار و عمل کو سنوارتی و

۱۔ جاثیہ: ۱۳، حج: ۶۵، لقمان: ۲۰، بقرہ: ۲۹؛ (مدرسی، ۱۴۱۹، ۱۳: ۸۰)

۲۔ قمر: ۵۵

۳۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ۱۹: ۱۹۷-۱۹۶ و مدرسی، ۱۴۱۹، ۱۵: ۱۹۴ و قرشی، ۱۳۷۷، ۱۱: ۷۷

۴۔ انفال: ۲۲ و ۵۵؛ اعراف: ۱۷۹؛ فرقان: ۴۴

نکھارتی ہے حیات طیبہ میں زندگی کا محور کائنات کا پالنے والا ہے زندگی کی مرکزیت حیات طیبہ میں خدا کو حاصل ہے لہٰذا جو کچھ بھی زندگی کے اس مرحلے میں انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ خدا کی محوریت کے ساتھ ہے اس کی رضا کے حصول کے لئے ہے، اب جتنا بھی انسان اس محور پر پائدار رہے گا جتنا بھی اس محور کا پابند رہے گا جتنا بھی ڈٹا رہے گا اتنا ہی زیادہ حیات طیبہ سے بہرہ مند ہوگا۔ [۱]

اللہ کی یاد محوریت الٰہی کے تحت اس حیات سے بہرہ مند ہونے کی راہوں میں سے ایک ہے [۲] یاد و ذکر خدا سے غفلت و خاموشی ایک دوسری زندگی کے دامن میں اوندھے منھ گرنے کے مساوی ہے ایسا گرنا جس میں انسان کی تباہی و بربادی ہے یہ تباہی و بربادی غیر اللہ کی محوریت تلے گزرنے والی زندگی کا نتیجہ ہے جس میں گمراہی و حیرانی و پریشانی و بربادی کے علاوہ کچھ نہیں جبکہ حیات طیبہ کے ذریعہ انسان مقام قرب الٰہی و صفات الٰہی کی تجلّیوں کی منزلوں تک پہنچتا ہے۔ [۳]

صحیح زندگی اور دیگر اسالیب حیات میں فرق، زندگی کی نوعیت و ہدف میں ہے اس لئے کہ ایک فاسد انسان کا بھی اپنی زندگی میں ایک مقصد ہے اور مقصد بھی یہ ہے کہ دنیا حاصل ہو جائے [۴] بالکل اسی طرح جس طرح ایک پاک انسان کا بھی مقصد ہوتا ہے اور وہ آخرت کی کامیابی کا حصول ہے [۵] لیکن دونوں کی زندگیوں میں فرق انکے ہدف زندگی سے جڑا ہے [۶] الٰہی زندگی کا حامل انسان کوشش کرتا ہے اس کمال تک پہنچ جائے جو اس کے رب نے اس کے لئے رکھا ہے، صحیح طرز زندگی کی مرکزیت انسان کے مطلوبہ کمال تک رسائی ہے جسے انسانیت کہا جا سکتا ہے در حقیقت انسان کمال انسانیت تک اس وقت پہنچتا ہے جب زندگی کے تمام شعبوں میں وہ خدا کو اپنا محور قرار

۱۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ۱: ۱۱۵

۲۔ «يَأَيها الذِينَ ءَامَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَ سَبحُوهُ بُكْرَةً وَ أَصِيلا» (احزاب: ۴۱-۴۲).

۳۔ انفال: ۲۲ و ۵۵؛ اعراف: ۱۷۹؛ فرقان: ۴۴

۴۔ «فَأَعْرِضْ عَن من تَوَلىَ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلا الْحَيَوةَ الدنْيَا» (نجم: ۲۹)

۵۔ «رِجَالٌ لاتُلْهِيهِمْ تجِرَةٌ وَ لَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللهِ وَ إِقَامِ الصلَوةِ وَ إِيتَاءِ الزكَوةِ يخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْأَبْصَار» (نور: ۳۷)
. «أَلَمْ تَرَ إِلَى الذِينَ قِيلَ لهُمْ كُفوا أَيْدِيَكُمْ وَ أَقِيمُوا الصلَوةَ وَ ءَاتُوا الزكَوةَ فَلَما كُتِبَ عَلَيهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ منهُمْ يخَشَوْنَ الناسَ كَخَشْيَةِ اللهِ أَوْ أَشَد خَشْيَةً وَ قَالُوا رَبنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْ لَا أَخرْتَنَا إِلىَ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدنْيَا قَلِيلٌ وَ الاخِرَةُ خَيرٌ لمَنِ اتقَى وَ لَا تُظْلَمُونَ فَتِيلا» (نساء: ۷۷)؛

۶۔ «مَن كاَنَ يُرِيدُ حَرْثَ الاخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فىِ حَرْثِهِ وَ مَن كاَنَ يُرِيدُ حَرْثَ الدنْيَا نُؤْتِهِ مِنهَا وَ مَا لَهُ فىِ الاخِرَةِ مِن نصِيب» (شوری: ۲۰) و «زُينَ لِلذِينَ كَفَرُوا الْحَيَوةُ الدنْيَا وَ يَسْخَرُونَ مِنَ الذِينَ ءَامَنُوا وَ الذِينَ اتقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اللهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيرِ حِسَاب» (بقرہ: ۲۱۲؛ طباطبائی ۱۴۱۷: ۱۲: ۴۹۱).

دے۔ قرآن کی نظر میں روش حیات کی معراج حیات طیبہ میں ہے[۱]۔ حقیقت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحیح روش زندگی انسان کی حیات طیبہ کے اصل جوہر کو تشکیل دیتی ہے اور حیات طیبہ کی جھلک مادی و معنوی سرمایوں اور ذخیروں میں نظر آتی ہے اور جو کچھ انسان نے اپنی زندگی کو لیکر حاصل کیا جتنی بھی اپنی زندگی کی تعمیر کی ہے سب کے سب روش حیات کے قالب میں نمایاں وآشکار ہوتا ہے[۲] حیات طیبہ کی تعبیر قرآن کریم میں ایک بار صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ [۳]

حیات طیبہ کے سلسلہ سے مفسرین کرام نے مختلف نظریات بیان کئے ہیں:

۱۔ حلال رزق، جائز روزی، قناعت و رضایت کے ساتھ شریفانہ زندگی، خوبصورت، فرحت آفرین بہشت اور اس میں بہترین واچھی زندگی۔برزخی جنت میں کامیاب وسعادت مندانہ زندگی۔ [۴]

۲۔ حیات طیبہ، حصول رزق حلال کے ساتھ عبادت وبندگی۔ [۵]

۳۔ حیات طیبہ، ایسی تازہ زندگی جس کے حریم میں کوئی آلودگی نہیں ہے جس میں صرف اور صرف قرب الٰہی مطلوب نظر ہو۔ [۶]

۴۔ حیات طیبہ، یہی دنیاوی زندگی ہے لیکن ایسی زندگی جو قناعت و رضایت الٰہی کے سایے میں بسر ہو جس میں انسان اللہ کی تقسیم پر راضی ہو اس لئے کہ یہی حیات وہ ہے جو پاکیزہ ترین زندگی کی حامل ہے۔ [۷]

۱۔ «مَنْ عَمِلَ صَالِحًا من ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ» (نحل: ۹۷).

۲۔ «يَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ» (صف: ۱۰-۱۱؛ طباطبایی، ۱۴۱۷، ۱۲: ۳۴۳-۳۴۱؛ جوادی آملی، ۱۳۷۵، ۱: ۲۱۵).

۳۔ «مَنْ عَمِلَ صَالِحًا من ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ» (نحل: ۹۷).

۴۔ طبرسی، ۱۳۷۲، ۷: ۷۳۴-۷۳۵

۵۔ طیب، ۱۳۷۸، ۸: ۱۸۴؛

۶۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ۱۲: ۳۴۳؛

۷۔ حویزی، ۱۳۷۳، ۳: ۸۴؛

۵۔ حیات طیبہ، یعنی قناعت کے ساتھ زندگی گزارنا، اس لئے کہ یہی قناعت انسان کے لئے عزت و بے نیازی کا سبب ہے۔[۱]

۶۔ حیات طیبہ یعنی سعادت وخوشبختی۔[۲]

۷۔ حیات طیبہ، یعنی پروردگار کی شناخت۔[۳]

قرآن کریم میں اصل حیات کا استعمال، زندگی کے معنی میں ۱۸۴ بار ہوا ہے ان میں سے ۱۵ ایسے مقامات ہیں جہاں زندگی کے معنی میں استعمال نہ ہو کر انسان[۴]، فطرت وطبیعت[۵] وخدا[۶] کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ کلمہ طیب کی اصل بھی ۵۰ مرتبہ قرآن کریم میں استعمال ہوئی ہے اس کے بعض معانی میں پاکیزہ غذائیں[۷]، پاکیزہ زندگی[۸] پاکیزہ رزق[۹] پاکیزہ گھر[۱۰] پاکیزہ گفتگو[۱۱] جیسی چیزیں شامل ہیں، حیات طیبہ حقیقت میں انسان کے عمل کی جزا، ہے جو انسان کے اس عمل اور صالح کی بنیاد پر اسے دی جائے گی جو سچے ایمانی جذبے کے ساتھ انسان نے انجام دیا ہوگا لہذا عمل صالح کے ساتھ ایمان کی شرط کو بھی یہاں رکھا گیا ہے یہ جزا، انسان کے عمل اور اس کے ایمان کی بنا پر اسے نصیب ہوگی اسی طرح ان لوگوں کو صلہ دیا جائے گا جنہوں نے پرہیزگاری کے ساتھ صبر کیا اور اللہ کے عہد کو نہیں توڑا اور اسے ناچیز قیمت میں نہیں بیچا۔ پاکیزہ زندگی ہر طرح کی نیستی ونقص و ناکامی سے مبرہ ہوگی ایسی زندگی ہوگی جس میں نہ کوئی غم واندوہ ہوگا نہ ہی کوئی خوف، ڈر اور غم واندوہ سے خالی زندگی، اس روش حیات کے خصوصیات میں سے ایک ہے۔ اس سالم وصحت مند زندگی کے مقابل ایک حقارت

۱۔ سید رضی، ۱۳۷۹: ۶۵۹؛
۲۔ طبری، ۱۴۱۲، ۱۴: ۲۲۴؛
۳۔ قرطبّی، ۱۴۰۵، ۱۰: ۱۷۴.
۴۔ سورہ حج: ٦٦
۵۔ سورہ فرقان: ۴۹
۶۔ سورہ بقرہ: ۲۵۵
۷۔ سورہ بقرہ: ۱۷۲
۸۔ سورہ نحل: ۹۷ وآل عمران: ۳۸
۹۔ سورہ انسان: ۲٦
۱۰۔ توبہ: ۷۲
۱۱۔ حج: ۲۴

آمیز اور ذلت سے بھری ہوئی ذلیلانہ زندگی بھی ہے اس لئے کہ یہ وہ زندگی ہے جو شیطان کے نفوذ کے سایے میں ہے یہ ان لوگوں کی زندگی ہے جو شیطان کے حکم کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں جبکہ اسلامی اسلوب حیات میں حیات طیبہ کا تصور اس جدید حیات کو پیش کرتا ہے جو اس زندگی سے مختلف ہے جو دوسرے گزار رہے ہیں، حقیقت میں حیات طیبہ کے اندر روش حیات کا وہ تصور پایا جاتا ہے جہاں زندگی مجازی نہ ہو کر حقیقی زندگی ہو۔ حیات طیبہ اور لقاء پروردگار دونوں ہی چیزیں عمل صالح اور ایمان کے سایے میں حاصل ہو سکتی ہیں اس لحاظ سے کہ حیات تمام موجودات کی حرکت کا سبب ہے حیات طیبہ بھی ذات حق کے لئے سبب شہود ہے اور اس حیات کے ذریعہ انسان انوار الٰہیہ کی تجلیات میں سیر کرتا ہے یہ جدید روش حیات انسان کے لئے نئی اور نورانی زندگی کی نوید لے کر آتی ہے حیات طیبہ جو ایک قرآنی اصطلاح ہے اس کے اندر تحقیق و غور خوض کرنا اور اس سے جڑی زندگی کے خصوصیات کو بیان کرنا یہ وہ چیز ہے جو ہمیں اسلام کے مد نظر زندگی کے تصور سے آشنا کراتی ہے اور اسکی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: حیات طیبہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خداوند متعال انسان کی طبیعی و مادی زندگی کو پاکیزہ بنا دے گا بلکہ یہ دنیاوی و طبیعی زندگی زوال پذیر ہے اس میں کسی چیز کو ثبات نہیں یہ وہ زندگی نہیں جسے حیات طیبہ کہا جائے لہٰذا خداوند متعال نے پرہیزگاروں کو ایک نئی زندگی دینے کا وعدہ کیا ہے جہاں انہیں زندہ رکھے گا یہ وہ زندگی نہیں ہے جو دوسروں کے پاس بھی ہے خداوند متعال نے اس آیت میں یہ نہیں کہا ہے کہ اگر کسی نے تقویٰ الٰہی اختیار کیا اور اچھا عمل کیا تو ہم اس کی اسی زندگی کو پاکیزہ بنا دیں گے یعنی محض صفت زندگی کو بدلنے کی بات نہیں ہے مثال کے طور پر یہ نہیں ہے خباثت سے پاکیزگی و طہارت سے بدل دیا جائے گا بلکہ کہا کہ ہم اسے پاکیزہ حیات کے ساتھ زندہ کریں گے اس تعبیر سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد ایک ایسی تازہ اور نئی زندگی ہے جس کے حریم میں کوئی آلودگی نہیں ہے بلکہ یہ وہ زندگی ہے جس پر حقیقی آثار مرتب ہوں گے۔[1]

اس کے بعد علامہ طباطبائی آثار حیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: صاحبان تقویٰ حیات طیبہ میں اس علم و طاقت کے حامل ہوں گے کہ حقائق اشیاء کو دیکھ سکیں گے لہٰذا اشیاء ان کی نظروں کے سامنے دو طرح سے حق و باطل کے طور پر مجسم ہو کر سامنے آئیں گی یہ وہ لوگ ہوں گے جو باطل سے بیزار ہوں گے ان

۱۔ طباطبائی، ۱۳۷۴، ۱۲: ۳۴۲

چیزوں سے بھی بے زار ہوں گے جو مادی دنیا میں اپنی چمک دھمک سے لوگوں کو فریب دینے والی ہیں یہ لوگ صرف عزت رب سے جڑے ہوں گے اسی میں اپنی عزت کو تلاش کریں گے جہاں پروردگار نے رکھی ہے اور جب صاحبان تقویٰ کی عزت خدا کی عزت ہو گئی تو اب شیطان کے وسوسے ہوائے نفسانی، نفس امارہ دنیا کی فریب کاریاں یہ ساری چیزیں مل کر بھی ان لوگوں کو ذلیل کرنا چاہیں جنہیں خدا نے عزیز بنایا ہے تو نہیں کر سکتیں اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فانی چیزوں کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے بلکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ دنیا اور اسکی تمام نعمتیں فنا پذیر ہیں صاحبان حیات طیبہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دل کو خدا کے حوالے کر دیا ہے اور اس کے علاوہ وہ کسی کی طرف نہیں دیکھتے اس کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتے اس کی بارگاہ کے قرب کے علاوہ کسی کو نہیں چاہتے، یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں انہوں نے اپنے لئے باقی رہنے والی حیات جاوداں و پاکیزہ زندگی کا تصور تلاش کر لیا ہے لہٰذا یہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کو خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی اور چلانے والا نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی میں معصیت الٰہی وگناہ کے علاوہ ہر چیز کو خوبصورت دیکھتے ہیں۔

جب انسان زندگی کے اس مرتبے کو حاصل کر لیتا ہے تو اپنے نفس میں نور، کمال، طاقت، عزت، لذت و سرافرازی کو محسوس کرتا ہے وہ بھی ایسی لذت و سرافرازی وہ بھی ایسا نور کہ نہ جس کی پیمائش ممکن ہے نہ اس کی توصیف ممکن ہے اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ حیات طیبہ کی بنا پر ان لوگوں نے ایسی جاودانہ زندگی کو حاصل کر لیا ہے جس کی نعمتوں کو فناء نہیں جس میں ایسی خالص لذت ہے جو ہر طرح کے درد والم ہر طرح کی کدورت سے مبرہ ہے ایسی حیات جس میں ایسی خوشبختی ہے جہاں کوئی ناکامی و شقاوت کا تصور نہیں، اور یہ سب کے سب حیات طیبہ کے وہ آثار ہیں جو حقیقی آثار حیات ہیں جو باقی رہنے والے ہیں لہٰذا پاکیزہ زندگی وہ زندگی ہے جو ہر طرح کی خباثت وبرائی سے خالی ہے اس میں کوئی ایسی آلودگی نہیں جو اس زندگی کو فاسد کر دے یا اس کے آثار کو تباہ کر دے۔[1]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ طباطبائی حیات طیبہ تک پہنچنے کے لئے اس زندگی و دنیاوی زندگی کے درمیان ایک گہرے تعلق کے قائل ہیں، چنانچہ حیات طیبہ کا حصول دنیاوی زندگی سے گزرے بغیر ممکن نہیں ہے، جتنا جتنا

۱۔ ایضاً ۱۲: ۳۴۲-۳۴۳

انسان اپنی اس زندگی میں دنیاوی وسائل سے اپنے رشد و کمال کے لئے استفادہ کرے گا اتنا ہی حیات طیبہ سے نزدیک ہوگا، یہ دنیاوی زندگی ایک پل کی طرح ہے جس پر سے چل کر انسان گزر جاتا ہے اور دوسری طرف پہنچ جاتا ہے، انسان پل کے اوپر نہیں ٹھہر سکتا ہے جلدی یا دیر میں اسے پل سے گزرنا ہی ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دنیا کی زندگی حیات طیبہ تک پہنچنے کے لئے ایک پل ہے، پیغمبروں کا بھیجا جانا، آسمانی کتابوں کا نزول یہ سب کے سب اس لئے ہے کہ انسان اپنی دنیاوی زندگی کو حیات طیبہ کی طرف موڑ دے وہ زندگی جو ایک آئیڈیل زندگی ہے۔

حیات طیبہ تک پہنچنے کی راہیں اور معاشرے کے ارتقاء میں اسکا کردار

حیات طیبہ کے دو رکن ہیں، ایمان اور عمل صالح[1] ایک پرہیزگار و صالح انسان، باطنی پاکیزگی کا حامل ہوتا ہے باطنی طور پر ایک سکون اس کے وجود میں پایا جاتا ہے قرآن کریم پرہیزگاروں کی توصیف میں اس مفہوم کو کچھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ پرہیزگار وہ ہے جو اپنے کردار میں میانہ رو ہے جو دکھاوے کی تکلیف دہ زندگی دیکھا دیکھی اسراف و تبذیر و فضول خرچی سے پرہیز کرتا ہے[2] یہ وہی اعتدال اور میانہ روی ہے جو ہر انسان کے لئے اس اس کی معیشت میں ضروری ہے یعنی چاہے معاشرہ میں زندگی کی بات ہو چاہے گھر کی چاہے کسی فرد کے ذریعہ ہو یا حکومت کے لئے یہ پروگرامنگ ضروری ہے کہ زندگی میں اعتدال رہے اور یہ وہ چیز ہے جو حیات طیبہ تک پہنچنے کے لئے فضا کو ہموار بنانے اور انسان کے لئے دائمی چین و سکون مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔

اسی آیت کے مطابق حیات طیبہ کے لئے ایمان کے علاوہ عمل صالح بھی ضروری ہے البتہ حقیقی ایمان جہاں بھی ہوگا وہاں عمل صالح بھی ہوگا عمل صالح ایمان میں اور بھی اضافے کا سبب ہے، ہر وہ قدم جو ایک پرہیزگار انسان عمل صالح کی انجام دہی کے لئے بڑھاتا ہے وہ اپنے ایمان کو بھی بڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے ایمان میں اضافہ روح کی تعمیر و تربیت اور اسکے رشد و کمال نیز کردار کی شائستگی کا سبب ہے، حیات طیبہ سے بہرہ مند ہونے کا معیار خواہشات نفسانی سے جہاد میں ایمان و بردباری ہے۔

قرآن کریم نے دیگر اور بھی مقامات پر عمل صالح سے گفتگو کی ہے اور اس بات پر اصرار کیا ہے کہ جو بھی عمل صالح انجام دے گا وہ اس نے خود اپنے لئے کیا ہے اور جو بھی عمل ہے وہ ذخیرہ آخرت ہے، انسان کا عمل اسکی

۱۔ «مَن عَمِلَ صَالحاً مِنْ ذکرٍ أو أُنثی وَهُوَ مُؤمنٌ فَلَنُحيينهُ حياةً طيبةً» (نحل: ۹۷)

۲۔ وَالَّذينَ إذا أنفقُوا لَمْ يُسرِفُوا وَلَمْ يقتُرُوا وَ كانَ بَينَ ذلكَ قَواما؛» (فرقان: ۶۷)

آخرت میں محفوظ ہو گیا۔ انسان کی یہ عاقبت بخیری و نیک انجام وہ چیز ہے جسے دوسری آیت میں اور بھی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ [۱]

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت چاہے مرد براکام کرے یا عورت سزا اس کے عمل کے مطابق ہی دی جائے گی، لیکن جس نے بھی نیک کام انجام دیا اور وہ صاحب ایمان بھی تھا تو جو اسکی عاقبت ہوگی اس نے جو انجام کار اپنے لئے مقدر کیا ہوگا وہ اس عمل سے بہتر ہوگا جو اس نے انجام دیا ہے یعنی جو اس کو جزا ملے گی وہ ایسی جنت کی صورت ہوگی جو نا قابل وصف ہوگی اور بہشت کی نعمتوں سے بہرہ مندی کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ نیک کام اور ایمان دنیا میں پاکیزہ زندگی اور بہشت میں بے حساب اجر کی دو شرطیں ہیں جو بھی ایمان و صالح انجام دے گا وہ دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی سے بہرہ مند ہوگا اور آخرت میں تو بہشت جاودان کا انعام اس کے لئے ہے ہی، یہ وہی بات ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے:

یہ وہ زندگی ہے جو پرہیزگار انسان کو اللہ کی طرف سے عطا کی جائے گی۔

اسکے مقابل وہ شخص جو برائی کرتا ہے اسے اسی قدر سزا دی جائے گی جتنا اس نے براکام کیا ہے ممکن ہے ایسا شخص دنیا میں بہت زیادہ ثروت کا مالک بھی ہو [۲] اسلئے کہ اس نے دنیا کے ہاتھوں اپنی آخرت کا سودا کر لیا ہے [۳] اسے اخروی کامیابی کی فکر بھی نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی و موت کو مادی و دنیا تک ہی محدود جانتے ہیں اور ہر چیز کو ان ہی چیزوں سے منسوب کرتے ہیں۔ [۴]

۱۔ «مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلا يُجْزىٰ إِلَّا مِثْلَها وَمَنْ عَمِلَ صالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيها بِغَيْرِ حِسابٍ»، (غافر: ۴۰)

۲۔ ہود: ۱۵

۳۔ بقرہ: ۸۶

۴۔ جاثیہ: ۲۴

یہ وہ لوگ ہیں جو ہزار سالہ عمر کی آرزو رکھتے ہیں[۱] چونکہ انہوں نے اس دنیاوی زندگی کو جس میں یہی مال اولاد، اولاد، سونا وغیرہ ہے جبکہ اس دنیا کی حیثیت بازیچہ[۲] سے زیادہ نہیں پھر بھی انہوں نے اس کو آخرت کی زندگی پر جو اصل اور جاوداں ہے ترجیح دی ہے۔[۳]

ہو سکتا ہے ایسے لوگوں کو اسی دنیا میں بہت سی نعمتیں نصیب ہو جائیں چونکہ انکا ہم و غم ہی یہی دنیا ہے لیکن اسی دنیاوی زندگی میں انہیں مصیبتوں کو بھی سہنا ہوگا عذاب بھی جھیلنا ہوگا جبکہ آخرت کا عذاب تو اور بھی سخت ہوگا۔[۴]

لہٰذا اگر پرہیز گار انسان اور اللہ پر ایمان رکھنے والا انسان عمل صالح انجام نہ دے یا عمل صالح تو انجام دے لیکن اس کا عمل ایمان و عقیدہ سے خالی ہو تو وہ حیات طیبہ تک نہیں پہنچ سکے گا، لیکن اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ حیات طیبہ تک پہنچنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی اثر اندازی خود بھی ہدایت کی شرط سے جڑی ہوئی ہے جس کے سلسلہ سے سورہ طہ کی ۸۲ ویں آیت میں اشارہ ہو رہا ہے:

«وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى»[۵]

یقیناً میں اس توبہ کرنے والے کو بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی ایمان لایا اور نیک عمل انجام دیا پھر سیدھے راستے کی طرف ثابت قدم رہا۔

ذکر شدہ آیت کی شان نزول کی بنیاد پر واضح ہے کہ "اہتدی" سے مراد اس آیت میں ولایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت رسول (ص) کو قبول کرنا ہے اور یہی وہ ولایت ہے جسے شرعی حیثیت قرار دیتے ہوئے صاحبان ولایت کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا۔[۶]

۱۔ بقرہ: ۹۶
۲۔ کہف: ۴۶
۳۔ عنکبوت: ۶۴
۴۔ رعد: ۳۴
۵۔ طہ: ۸۲
۶۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ۱۴: ۱۸۹

قرآن کریم نے حقیقی چین وسکون کو ذکر الٰہی میں قرار دیا ہے نہ جنگوں کا تمام ہو جانا، وہ معاشرہ جو عمل صالح کا قصد کرتا ہے ایسا معاشرہ ہے جو زندہ ہے اور ایسا زندہ معاشرہ ہے جس کے مختلف حصے متحرک ہیں اور اس کا ایک تعمیری ہے۔ یقینی طور پر ایسا معاشرہ مختلف اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی فوائد اپنے ساتھ لئے رہتا ہے اور اس کے جوان امیدوار رہتے ہیں انہیں روحانی افسردگی نہیں کھائے جاتی بلکہ وہ پر امید ہو کر جیتے ہیں۔

درحقیقت ایمان ایک طرح کا علم ہے ایک ایسی آگاہی ہے جو قلبی عقیدہ کے ہمراہ ہے اس میں ایک طرح کا ایسا یقین ہے جو انسان کے وجود کی گہرائیوں میں اثر کر جاتا ہے، اور تعمیری کارکردگیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے اب اگر اس کے ساتھ عمل صالح بھی ہو تو حیات طیبہ کا پھل سامنے آتا ہے۔

وہ ایمان جو انسان کے دل میں ہو اور عمل سے اس کا اظہار ہو وہ معاشرہ کے صحت مند ہونے میں مددگار ہوتا ہے معاشرہ میں محبت و دوستی کو وجود بخشتا ہے شاداب و حوصلہ مند جذبوں سے بھرپور لوگوں کی تربیت کرتا ہے، قرآنی اسلوب حیات کے تصور میں ضروری ہے کہ خدا سے راز و نیاز، دعا،کام، آرام، اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کا طریقہ، مصیبتیں اور پریشانیاں، زندگی میں دنیا و آخرت کا حصہ، تربیت، فردی آداب، گھریلو اور معاشرتی طرز سلوک، ان تمام چیزوں پر ایک وسیع افق سے نظر ڈالی جائے اور پرہیزگارانہ روش حیات کے تمام اجزاء کی معاشرہ کے گوناگوں طبقات کے لئے تشریح و توضیح ہو پھر انہیں سب کے لئے پیش کیا جائے۔

اگرچہ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہیں[1] لیکن ہر فرد سے توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اولیاء الٰہی کی طرح زندگی گزارے جبکہ خود رسولوں اور انبیاء کے درمیان منزلت و فضیلت کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔[2]

قرآنی اسلوب حیات کی تجلی حیات طیبہ میں

قرآن کریم دنیاوی زندگی اور اس کے وسائل اسی طرح اللہ کی دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس دنیا کی مذمت کرتا ہے جس میں آخرت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو ایسی زندگی جو آخرت کے بغیر محض خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے بسر ہو۔

۱۔ احزاب: ۲۱

۲۔ بقرہ: ۲۵۳و اسراء: ۵۵

یہی وجہ ہے کہ حیات طیبہ کی جستجو کرنے والے دنیا کی زندگی اور دنیا کے جلووں جیسے مال، عورت، اولاد کو لیکر بے توجہ نہیں ہیں در حقیقت قرآنی اسلوب حیات کی تجلی اس سے اوپر کے مرحلہ میں حیات طیبہ میں ظاہر ہوتی ہے، حیات طیبہ انسان کی یقینی شناخت کا وہ مرحلہ ہے جہاں خالص پرہیزگار معرفت کی وادیوں سے گزرتے ہوئے قرآنی فرمودات کے مطابق عمل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ایک ایسی زندگی گزارتے ہیں جو پاکیزہ ہو، اب یہ زندگی جن اہم خصوصیات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے وہ کچھ یوں ہیں:

۱۔ زندگی کے حقیقی معنی و مفہوم کا ادراک:

حیات طیبہ زندگی کی حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے اس لئے کہ اسکی بنیاد خدا کی ذات ہے دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس زندگی میں انسان کا سارا ہدف قرب الٰہی و خدا محوری ہے اسی بنا پر اس زندگی میں ایک اطمینان اور گہرا سکون پایا جاتا ہے ایسا سکون جو زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ اور سختیوں کو لائق تحمل بناتا ہے اور زندگی کے مثبت پہلوؤں کو نکھار کر وسیع بناتا ہے یہ وہ طرز تفکر ہے جو ایمانی قوت سے اور عمل صالح سے جڑا ہوا ہے۔

حیات طیبہ پرہیزگار انسان کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ حقیقت اشیاء کو جیسی ہیں ویسا ہی دیکھے اور حق و باطل کے درمیان فرق کو سمجھ سکے حیات طیبہ میں زندگی بہت مضبوط و پائدار اور بہت سے آثار و برکات کی حامل ہے۔

۲۔ دنیا و آخرت کی نعمتوں سے بہرہ مندی

حیات طیبہ کے ساتھ دنیاوی زندگی بھی آباد و شاداب رہتی ہے، آباد ہونے سے مراد دنیاوی زندگی میں مکمل رفاہ و آرام نہیں بلکہ انسان کی آسودگی اور اس زندگی میں آگے بڑھنے کا کئی گنا جذبہ اور لگن ہے۔ خداوند متعال نے اس زندگی کو حیات طیبہ اس لئے کہا کہ یہ ایسی حیات ہے جو ہر طرح کی پلیدگی سے دور ہے اس میں انسان کی تمام کوشش و لگن خدا کے محور پر گامزن رہتی ہے انسان اس زندگی میں اللہ کی دنیاوی و اخروی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے، حیات طیبہ کا خیر دنیا و آخرت پر پھیلا ہوا ہے اور حیات طیبہ کے مالک اسی دنیا میں اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔[۱]

۱۔ فَعِندَ اللهِ ثَوابُ الدُّنیا وَ الاخرَۃِ؛ پس دنیوی اور اخروی اجر خدا کے پاس ہے (نساء: ۱۳۴).

۳۔ معیار و میزان

اس جہت سے کہ حیات طیبہ انسان، الوہی کمال کا منتہی ہے اسی وجہ سے اس حیات کے حامل لوگ میزان و معیار ہیں، حیات طیبہ کے حامل افراد کمالات کی معراج پر پہنچتے ہیں اور یہ خداوند متعال کو اپنی زندگی میں محور قرار دینے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

یہ لوگ اپنی زندگی میں آگے بڑھتے ہیں تو انکے پیش نظر خدا ہوتا ہے اور یہی طرز ان کے کمال تک پہنچنے کا سبب بنتی ہے یہ لوگ راہ میں پیچھے رہ جانے والوں کے لئے درحقیقت معیار و میزان بن جاتے ہیں یہ حیات طیبہ کی خاص خصوصیت ہے جس کی بناپر انسان کمال کے آخری مرحلہ تک پہنچ سکتا ہے۔

۴۔ علم

علم و دانش کی پیشرفت نے انسان کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے انسان آج نئی زندگی کے تجربے سے گزر رہا ہے چنانچہ حیات طیبہ کے سب سے اہم معیاروں میں ایک علم ہے، اہلبیت اطہار علیہم السلام معدن علم ہیں سرچشمہ دانش ہیں اور حیات طیبہ کے اولین حاملین سب سے ممتاز شخصیات ہیں، جو لوگ حیات طیبہ کے حامل ہیں ان کا ایک معیار علم کی خصوصیت کا حامل ہونا ہے آیہ ”انما العلم“ کے مطابق تمام علم ذات پروردگار کے پاس ہے وہ معاشرہ جس کی زندگی کی روش حیات طیبہ ہے اس کے پاس علمی مراحل ہیں وہ علم کے مرحلے میں مسلسل پیشرفت کرتا نظر آتا ہے اس معاشرے میں پسماندگی نہیں ہے یہاں پچھڑا پن نہیں ہے ایسے معاشرے میں کوئی افراتفری بھی نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کے تمام اصول علم کی بنیادوں پر ہوتے ہیں اور یہ وہ علم ہے جو خداوند متعال کی معرفت کے حصول اور قرآن کے دستورات کے مطابق عمل سے حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ نور

جن کے پاس حیات طیبہ ہے انہوں نے اپنے دل کو اپنی روح کو صاف کر لیا ہے اپنے وجود کو تمام تعلقات اور تمام ظلمتوں سے آزاد کر لیا ہے دل کو بالکل آئینہ کی طرح شفاف بنالیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کو تمام وجود کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں اس کے نور اور اس کے نام کے آئینہ دار ہیں لوگوں کے درمیان نور معرفت الٰہی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں خلق خدا انہیں کو دیکھ کر ہدایت حاصل کرتی ہے، یہ لوگ خلق خدا کی ہدایت کا سبب

ہیں[1] اس طرح وہ انسان جو حیات طیبہ تک پہنچ گیا ہے وہ اپنی ذات میں اس نور تک پہنچ جاتا ہے اس کمال تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کے لئے کوئی پیمانہ نہیں معین کیا جا سکتا کہ وہ کہاں ہے کس بلندی پر ہے؟ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی معرفت کی اس منزل پر ہیں کہ اس کے نور کی تجلّیوں کو باہر کی طرف بکھیرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور معاشرہ اس نور کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

منزل صدق ویقین

صاحبان حیات طیبہ کا مقام در حقیقت مقام قرب الٰہی ہے ان کی منزلت یہی ہے کہ خدا تک پہنچتے ہیں، معاشرے میں یہ لوگ وہ ہیں جنہیں صحیح راستے کا علم ہو گیا ہے یہ منزل صدق تک پہنچ جانے والے وہ لوگ ہیں جو حق کے ساتھ جیتے ہیں نہ فریب کھاتے ہیں نہ حقیقت کی جگہ سراب سے دھوکہ «وَقُلْ جاءَالْحَق وَزَهَقَ الْباطِلُ إِنّ الْباطِلَ كانَ زَهُوقاً» کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے لئے کچھ ایسا کرتا ہے کہ جو سراب کے تانے بانے اس نے بنائے تھے انہیں میں پھنس جاتا ہے سراب میں پھنستا ہی نہیں بلکہ اس میں غرق ہو جاتا ہے۔

جس قدر بھی انسان راہ رست کو سراب سے علیحدہ کرکے اس بات کی تشخیص دے لے کہ کہاں سراب ہے کہاں حقیقت اتنا ہی سچائی کی ان منزلوں سے نزدیک ہوتا ہے جو حیات طیبہ کے ثمرات میں سے ہے اور اسی کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر پہنچنے کے بعد انسان ہرگز خود کی بارگاہ میں خود کو بڑا نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ اپنے تمام وجود کو خدا کے لطف و کرم کا رہین منت سمجھتا ہے وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مدد و نصرت کے بغیر جن مراحل تک وہ پہنچا ہے کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اگر اس کی مدد و نصرت نہ ہوتی۔

عصر غیبت سے ظہور منجی بشریت تک حیات طیبہ کی تجلی کی کیفیت

عصر حاضر میں جسے عصر غیبت کہا جاتا ہے معاشرے کے لوگ مختلف قسم کی بیماریوں اور ثقافتی و مذہبی یلغاروں کا سامنا کر رہے ہیں، شناخت کا بحران اپنے مختلف زاویوں سے معاشرے کو بے کل کر رہا ہے انسانی خواہشات کا غیر منطقی انداز میں پورا ہونا درونی میلانات کی ناجائز طریقے سے تسکین، غلط عقائد و نادرست افکار، روحانی

۱۔ «أَوَمَن كَانَ مَيتاًفَأَحْيِينَاهُ وَجَعَلْنَالَهُ نُوراًيَمْشِي بِهِ فِي النَاسِ كَمَن مَثَلُهُ فِي الظُلُمَاتِ لَيسَ بِخَارِجٍ مِنهَا» (انعام: ۱۲۲).

آشفتگی کے مسائل انسان کی سرگردانی نفسیاتی مسائل ڈش و ٹی وی کی تخریبکاریاں ،منشیات کی معاشرے میں بہتات ،دنیاوی زرق برق ، رفاہی و مادی اور اقتصادی ارتقاء پر منحصر سوچ یہ سب کے سب ایسے محرکات ہیں جن سے لوگ جوجھ رہے ہیں، ان تمام انحرافات نے انسان کو اس مقام پر پہنچادیا ہے جہاں پر زندگی کی لائن نظر ہی نہیں آتی ہے حقیقی زندگی کا خط محو ہوتا جارہا ہے اور انسان زندگی کو لیکر ادھر ادھر سرگرداں ہے، جہاں تک انحراف کی بات ہے تو انحراف عام معنوں میں ہر قسم کی ایسی کارروائی اور عمل کو شامل ہے جو معاشرے کے قبول شدہ اصولوں کے مطابق نہیں ہیں، بلکہ ان اصولوں اور قدروں کے ٹوٹنے کا سبب ہیں جنہیں معاشرے میں اعتبار حاصل ہے۔ سماجی انحرافات کی روک تھام ان حلوں میں سے ایک ہے جو اس میدان میں بنیادی کردار کا حامل ہے۔ایسے معاشرے میں دو طرح کے لوگوں سے سامنا ہوتا ہے:

پہلی قسم کے لوگ

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو اس راستے پر چل رہے ہیں جس پر مسلسل ثقافتی یلغار ہو رہی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو شناخت کے بحران کا شکار ہیں، ان سب کے لئے ضروری ہے کہ انہیں حیات طیبہ کے اصول سکھائے جائیں انہیں بتایا جائے کہ پاکیزہ زندگی کیسے گزاری جاتی ہے تاکہ یہ لوگ توحید کی مرکزیت کے ساتھ اعمال صالحہ کی انجام دہی سے اس زندگی کو سجا سکیں انکی فکر اور ان کے کردار کی اصلاح ہوسکے نتیجہ میں انہیں چین و سکون میسر ہو سکے اور یہ لوگ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے سپاہی کہلائے جاسکیں۔

دوسری قسم

ان مذہبی لوگوں کی ہے جو توحید پر یقین بھی رکھتے ہیں عمل صالح بھی انجام دیتے ہیں لیکن ان کی زندگی میں ثبات نہیں ہے مستقل مزاجی نہیں ہے پل میں ماشہ پل میں تولہ ہیں ان لوگوں کو یاد دہانی کراتے رہنے کی ضرورت ہے کہ دین برحق کے احکام پر پابند رہیں ثابت قدم رہیں اور ظہور امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی راہ کو ہموار کریں۔

اسلام میں حوصلہ افزائی کے وسائل تنبیہ ، بشارت یہ سب کے سب وہ چیزیں ہیں جن سے ان انحرافات کے مقابلے میں مدد لی جاسکتی ہے علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں نقل کیا ہے کہ جناب عیسیٰؑ نے فرمایا: وہ شخص

ملکوت تک نہیں پہنچتا ہے جو دو بار نہ جنا گیا ہو۔[۱] اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حیات طیبہ کا لازمہ یہی ہے کہ انسان زندگی میں دو بار اس دنیا میں قدم رکھے، انسان کے لئے ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی میں پہلے اس جہان فانی میں آنکھ کھولے اس پر معنوی گوشت و پوست چڑھے تاکہ مطلوبہ حیات تک پہنچ سکے مطلوبہ حیات بھی ہر حیات نہیں وہ حیات جو انسان کے لئے رکھی گئی ہے جسے حیات طیبہ کہا جاتا ہے، حیات طیبہ انسان کو تمام انحرافات سے نجات دینے کا سبب ہے اور یہ ایسی زندگی ہے جو انسان کی اتار چڑھاؤ والی زندگی کو چین و سکون سے سرشار زندگی میں بدل دیتی ہے۔

تفاسیر کے مطابق حیات طیبہ اسی دنیا میں ظہور پذیر ہو جاتی ہے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیل مفسرین نے پیش کی ہے وہ یہ ہے حیات طیبہ کا جس آیت میں تذکرہ ہے اس کے دوسرے حصے میں ارشاد ہوتا ہے «وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَجۡرَهُمۡ بِأَحۡسَنِ مَا كَانُوا يَعۡمَلُونَ»

اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی صاحب ایمان ہو اور عمل صالح انجام دے خدا دنیا میں اسے حیات طیبہ عطا کرے گا اور آخرت میں جو کچھ بھی اس نے کیا ہے اس کی بہترین جزا سے نوازے گا قرآنی آیات کے مطابق لقاء پروردگار حیات طیبہ کا سب سے بڑا مصداق ہے۔

سورہ مبارکہ کہف آیہ ۱۱۰: «فَمَن كَانَ يَرۡجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا»، کے ذیل میں علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: لیکن اس بات پر توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ سے پیوستہ گفتگو میں اللہ کی بنحو احسن و بہترین جزا کی بات ہوئی ہے تو اسی سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی پاکیزہ زندگی سے جڑی ہوئی بات ہے یعنی یہ پاکیزہ زندگی وہ ہوگی جو دنیا میں عطا ہوگی جبکہ جزائے احسن آخرت سے متعلق ہے۔[۲] اب جسے بھی لقاء پروردگار کی امید ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ نیک و شایستہ عمل انجام دے اور پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک قرار نہ دے۔

۱۔ «لَن يلج مَلكوتَ من لَم يولَد مَرتين»؛
۲۔ طباطبائی، ۱۳۷۴، ۱۲: ۴۹۰ - ۴۹۷

یہ جو ہمارا دور ہے ایک طرف تو یہ دنیاوی لذتوں کے دلدل میں دھنستے جانے کا دور ہے تو دوسری طرف میڈیا کے انحراف کا۔ ایسے میں حیات طیبہ کی تلاش و جستجو انسان کو زمانے کی پلیدگیوں سے بچاتی ہے اس زندگی نے زمانے کی آلودگیوں کو مٹا کر بشریت کے لئے ایسی زندگی رقم کی ہے جس میں چین ہی چین ہے سکون ہی سکون ہے۔

یہ بشر وہی ہے جو حقیقی معنی میں علم و طاقت کے بارے میں سوچتا رہتا ہے تاکہ اسے لوگوں کی زندگیوں میں آسائش وانکے مختلف کمالات کے سلسلہ سے اپنے علم و طاقت کو استعمال کرے، لہٰذا حیات طیبہ کا مطلب عالمی منظر نامے سے حاشیے پر چلا جانا نہیں ہے بلکہ بشر کو ایمان و عمل اور اسکی طاقت کے ساتھ میدان عمل میں لا کر کھڑا کرنا ہے۔ عصر حاضر میں ایسے لوگ ہیں جو ماہ مبارک میں روزے رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں ان کے دل محبت اہلبیت اطہار علیہم السلام سے سرشار ہیں لیکن ماہ مبارک کے علاوہ اگر انکی نماز اول وقت نہ ہوسکے یا کبھی پڑھی جائے کبھی چھوٹ جائے تب بھی یہ لوگ زیادہ مغموم و محزون نہیں ہوتے، یہ لوگ حرام موسیقی سے نہ صرف گریز و پرہیز نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی جینے کے لئے ضروری بھی سمجھتے ہیں۔

ایسے میں سوال یہ ہے کہ کیوں بعض لوگوں کی عبادت اور زیارت شب ہائے قدر میں عام دنوں سے مختلف ہوتی ہے کیونکر عام دنوں سے ہٹ کر مخصوص ایام میں وہ دین کے پابند ہو جاتے ہیں؟ یہ بات کس چیز سے تغافل کا نتیجہ ہے اور اس کا حل کیا ہے؟

یہ وہ بات ہے جو مذکورہ دوسری قسم کے لوگوں سے جڑی ہے ایسے لوگ جو دین کے امور کی انجام دہی میں ثابت قدم نہیں ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں یاد دہانی کراتے رہنے کی ضرورت ہے کہ اگر انھیں حقیقی حیات مل گئی اور اس پر یہ دائمی طور پر چلتے رہے اور انہوں نے اپنے عمل سے امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کی فضا کو فراہم کر دیا تو یہ چیز حیات طیبہ کی مکمل تجلی کا مصداق ہوگی قرآنی اسلوب حیات کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن کے احکام و معارف ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ایک کہکشاں کی طرح ہیں جو ساری تعلیمات کے ذریعہ ایک مکمل نظام حیات کو پیش کرتے ہیں حقیقی پرہیزگار وہی ہے جو قرآن کے مکمل ضابطہ حیات پر عمل کرے ایسا نہ ہو بعض پر یقین رکھتا ہو بعض پر یقین نہ رکھتا ہو، کچھ احکامات پر عمل کرے کچھ کو چھوڑ دے «ارشاد ہوتا ہے: کیا تم بعض کتاب آسمانی کے احکامات پر ایمان لے آئے اور بعض کے منکر ہو گئے ہو؟ ان لوگوں کے لئے جو قوانین الٰہی و احکام الٰہی کے درمیان اس طرح کا کام کریں گے کہ کچھ کو لے لیں اور کچھ کو چھوڑ

دیں اس دنیا میں رسوائی ہی لکھی ہے اور اس رسوائی کے سوا انہیں کچھ نصیب نہ ہوگا اور دنیاوی رسوائی کے ساتھ وہ آخرت کے شدید عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ [1]

قرآنی اسلوب حیات کا ایک واضح اور روشن نمونہ نماز کا حکم ہے قرآن کریم میں ایک مقام پر نماز کا حکم [2] دیا گیا ہے تو دوسری جگہ دین اس بات کو بیان کرتا ہے کہ صرف نماز پڑھ لینا اللہ سے کچھ دیر کے لئے جڑ جانا کافی نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام مراحل میں اللہ کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کو اذیت دی تو چاہے وہ ساری زندگی روزہ رکھے روز رات کو عبادت کرے لیکن اس کی نماز و عبادت قبول نہیں ہوگی۔ [3]

اس اسلوب حیات کے مطابق نماز پڑھنا صرف نماز کے وقت میں نہیں ہے بلکہ ساری زندگی میں ضروری ہے کہ انسان نماز پڑھے اور نماز کو زندگی کے ہر مرحلے میں جاری کرے، اب نماز دوسروں کے لئے اس قدر حسین وخوبصورت ہو جائے گی کہ نماز کی تبلیغ کی ضرورت نہیں رہ جائے گی، نماز دین کا اہم دستور ہے دیگر دین کے احکام بھی نماز کی ہی طرح ہیں شریعت کے احکامات پر اگر عمل ہو تو یہ وہ چیز ہے جو صحت مند و صحیح و سالم معاشرے کی تعمیر کا سبب ہے یہ خود حیات طیبہ کا ایک مصداق ہو سکتی ہے اور امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کی فضا کی فراہمی کا سبب ہو سکتی ہے۔

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کا عقیدہ فرد و معاشرے کو سالم بنانے کے لئے ہے حتی فریقین کی روائی اور اعتقادی مآخذ میں بہت سی ایسی روایات ہیں جو اسی بات کی ترجمانی کرتی ہیں کہ ظہور کے بعد معاشرے میں وہ بیماریاں نہیں رہیں گی جو ظہور سے پہلے تھیں اور عصر ظہور میں معاشرہ ایک صحت مند و سالم معاشرہ ہوگا ان روایات کے مطابق عصر ظہور میں ایسے واقعات رونما ہوں گے جو شدید ترین فتنوں کو اپنے دامن میں لئے ہوں گے لیکن امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی حکومت کے بعد یہ فتنے برطرف ہو

۱۔ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَما جَزاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلاَّ خِزْيٌ فِي الْحَياةِ الدُّنْيا وَيَوْمَ الْقِيامَةِ يُرَدُّونَ إِلى أَشَدِ؛ (البقرۃ: ۸۵).

(۸۵).

۲۔ نور: ۵۶

۳۔ مجلس، ۱۴۰۳، ۷۳: ۳۶۳

جائیں گے اور کائنات میں انسانیت اپنے پورے وجود کے ساتھ نکھر کر سامنے آئے گی اور زمین پر انسانی زندگی میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ ہم یہاں پر اس سلسلہ سے چند روایات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں :

اہلسنت کے مآخذ میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے : روایت میں ہے کہ ابن داود نے سعید خدری انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا : قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین ظلم وجور سے نہ پٹ جائے اس کے بعد میری عترت واہلبیت (ع) سے ایک مرد اٹھے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا بالکل اسی طرح جس طرح زمین ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ [1]

اہلسنت کے مآخذ میں ایک اور حدیث بھی ملتی ہے جس کے بموجب روایت ہے کہ ابن داود نے سعید خدری سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے اسی سے ملتی جلتی حدیث میں کچھ ایسا مفہوم بیان فرمایا جسے دوسری روایت میں سیوطی نے جامع الکبیر اور حاکم نیشابوری نے مستدرک میں یوں ذکر کیا ہے : میری امت کے آخری دور میں حاکمان ظلم وجور کی طرف سے اس قدر امت پر مصیبت و بلاء اور سختی نازل ہوگی کہ زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ امت پر تنگ ہو جائے گی اس وقت میری عترت میں سے ایک مرد اٹھے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح یہ ظلم سے بھری ہوئی ہوگی۔ [2]

ایک اور حدیث میں احمد کے طریق سے نقل ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر دنیا میں محض ایک دن بھی بچا ہوگا تو خداوند متعال میرے خاندان سے ایک مرد کو اٹھائے گا کہ دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے بالکل اسی طرح جس طرح یہ دنیا ظلم وجور سے بھر گئی ہوگی۔ [3]

۱۔ لاتقوم الساعة حتی تملأ الارض ظلماً وعدواناثم یخرج من عترتی یا من اهل بیتی من یملاها قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً؛ (سیوطی، (سیوطی، ۱۴۱۴، ۷: ۳۲۰ و حسینی مرعشی، ۱۴۰۶، ۱۹: ۶۵۲ واحمد بن حنبل، ۱۴۰۴، ۳: ۲۸).

۲۔ ینزل بامتی فی آخر الزمان بلا شدید من سلطانهم حتی تضیق الارض عنهم فیبعث الله رجلا من عترتی فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً۔ (سیوطی، ۱۴۱۴، ۸: ۱۸۱ والمتقی الهندی، ۱۳۶۴، ۱۴: ۲۷۵).

۳۔ لو لم یبق من الدهر الا یوم لبعث الله تعالی رجلا من إهل بیتی یملؤها عدلاً کما ملئت جوراً؛. (ابوداوود، ۱۴۱۰، ۶: ۱۵۹ و حسینی مرعشی، ۱۴۰۶، ۱۹: ۶۵۳

کمال الدین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہے کہ: سچ ہے کہ میرے خلفاء اور اوصیاء اور خلق خدا پر میری حجتیں میرے بعد بارہ ہوں گی ان بارہ میں پہلے میں اور میرا بھائی اور آخری میرا بیٹا ہوگا۔ حضور سے سوال ہوا یا رسول اللہ آپ کے بھائی کون ہوں گے؟ فرمایا: علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔ پوچھا گیا بیٹا کون ہوگا؟ فرمایا: وہی مہدی ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا بالکل اسی طرح جس طرح یہ ظلم وستم سے بھری ہوئی ہے۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے اگر دنیا کی عمر میں محض ایک دن بھی بچا ہوا ہوگا تو یقیناً خدا اس دن کو اسقدر طولانی کر دے گا کہ میرا وارث اس دن خروج کرے۔

ایک اور حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مہدی میرے فرزندوں میں سے ہوگا اس کا نام میرا نام اس کی کنیت میری کنیت ہوگی وہ اپنی تخلیق واخلاق میں میرے جیسا ہوگا اسکے لئے ایک غیبت وحیرت کا زمانہ ہوگا جس میں میری امت گمراہ ہو جائے گی پھر وہ ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح نکلے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا بالکل اسی طرح جس طرح زمین ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی[1]۔

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی حکومت دنیا میں حیات طیبہ کا کامل ترین مصداق ہے، مہدوی گھرانے کی تربیتی ذمہ داریوں میں ہے کہ ایسی نسل کی تربیت کی جائے جو علمی و عملی طور پر صاحب صلاحیت ہو اور امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے مقاصد وانکی آرزوں کو پورا کرنے والی ہو۔

نور ولایت وامامت سے درخشاں گھر، امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے سپاہیوں کی تربیت کا مرکز ہیں جن میں امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے جاں بکف جانثاروں کی تربیت قرآن اور عشق رسول وآل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت ہوتی ہے۔ روایت میں ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت تین بنیادی خصوصیات کے ساتھ کرو: محبت قرآن پر، محبت پیغمبر اور محبت اہلبیت پیغمبر (ص) پر[2]، اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ہمارے سامنے تین طریقے اور تین نمونے ہیں:

☆ شرعی وعقلی تربیتی اصولوں پر اولاد کی تربیت۔

☆ اہلبیت اطہار علیہم السلام کی خاص ہدایات کے مطابق اولاد کی تربیت۔

۱۔ مذکورہ حوالہ، ا: ۱۶۴

۲۔ منتقی ہندی، ۶۴ ۱۳، ۱۶: ۴۵۶

☆امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ناصروں اور ان کے ساتھیوں کے صفات کو نمونہ قرار دیتے ہوئے بچوں کی تربیت۔ جس کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔

اب اس تربیت کے سایہ میں جو معاشرہ ڈھل کر سامنے آئے گا اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ویسا ہی ہو جو ظہور منجی بشریت کے لئے ہونا چاہیے اب لوگوں کی تیاری بھی اس معاشرے کے پیش نظر ہونا چاہیے جو منجی بشریت کے ظہور کے وقت کا معاشرہ ہوگا، اس معاشرے کے اہم سوالوں میں یہی سوال اہم ہے کہ کیا ہماری تیاری ویسی ہے جیسی اس سماج کی ہونا چاہیے جو منجی بشریت کے ظہور کے وقت ہوگا، کیا ہم ویسے ہیں جیسے منجی بشریت امام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کے وقت انھیں ضرورت ہوگی۔

عصر ظہور میں دنیا کے اقوام اپنی معمولی زندگی کا تجربہ کر چکی ہے، اور اس نے زندگی میں پائے جانے والے خلاء کو اور ان سوالات کو بھی محسوس کیا ہے جس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے جو انسانی ضمیر کو اس انسانیت کے وجدان کو قانع کرنے میں ناکام ہے، اسی طرح بشریت نے حقیقی چین وسکون کے فقدان کو بھی قریب سے لمس کیا اور دیکھا ہے کہ اس جدید زندگی میں سب کچھ ہے سکون ہی نہیں ہے ان حالات و شرائط میں جو انسانی معاشرے پر مسلط ہیں انسان یہی چاہتا ہے کہ ان حالات سے خود کو باہر نکالے اور چین کی سانس لے۔

عصر ظہور میں حیات طیبہ کی کیفیت

عصر ظہور کی نتائج و آثار اور اس کے تفصیلات سے مکمل آگاہی اس کے لئے بہت دشوار ہے جو ظہور سے پہلے جی رہا ہے یہ صرف روایات معصومین علیہم السلام ہیں جن کی روشنی میں اور بزرگ علماء کے حدیث و قرآن سے استنباط کی بنیاد پر ہم کسی حد تک ظہور کے بعد قائم ہونے والے معیاروں اس دور کے حالات اور اس دور کی حقیقتوں کو بیان کر سکتے ہیں۔

عصر ظہور کے خصوصیات میں ایک انسان کی معرفت اور اس کے علم میں اضافہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ظہور سے پہلے انسان کی عقلوں پر تالا جڑا تھا اور اس کے پاس حقیقت تک رسائی کے لئے نہ فکر تھی نہ عقل نہ حقیقت تک پہنچنے کی لگن، ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ جو بھی رکاوٹیں انسان کے فکر وشعور کے سامنے تھیں وہ ختم ہو جائیں گے سارے بندھن کھل جائیں گے آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے انسان حقائق کا ادراک کر سکے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو اللہ کے بندوں کے سروں پر ہاتھ رکھے گا جس کی بنا پر ان کی عقلیں کامل ہو جائیں گی[1] امام مہدی علیہ السلام کے ناصروں کی نسل کی تربیت انہیں صفات کی بنیاد پر ضروری ہے جو آپ کے ناصروں اور آپ کا ساتھ دینے والوں کے صفات روایات میں بیان کئے گئے ہیں جنہیں اصحاب المہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی صفات و خصوصیات کے طور پر جانا جاتا ہے۔

جن کے لئے قرآنی آیات کے مطابق یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور عمل صالح کرتے ہیں خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ زمین کی حکومت انکے حوالے کرے گا۔ حکومت اس آیت کی تاویلوں میں امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی حکومت ہے۔[2] ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ جو ایمان لے کر آئے اور شایستہ کاموں کو انجام دیتے ہیں اللہ کا وعدہ ہے ان سے کہ یقیناً وہ زمین پر حکومت کریں گے بالکل اسی طرح جس طرح ان سے پہلے والوں کی خلافت روئے زمین پر تھی اور ان کا پسندیدہ دین قائم ولازوال رہے گا۔

فرات بن ابراہیم کوفی نے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ ابن محمد علیہ السلام سے میں نے سنا آپ نے فرمایا: آیہ "وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْأَرْضِ ..." ہم اہلبیت (ع) کے لئے نازل ہوئی ہے۔[3]

اس آیت کی تاویل واسکا مصداق ابھی نہیں ہے جب دین محمدی ہر اس خطے تک پہنچ جائے گا جہاں رات ہوتی ہے یعنی پورے خطہ ارض پر دین محمدی کا احاطہ ہوگا اس طرح کہ روئے زمین پر کوئی بھی مشرک نہ ہوگا جیسا کہ خداوند متعال نے فرمایا: یعبدوننی---[4].

اس وقت جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو جو اسے درک کرے گا وہ اس آیت کے تاویل کو دیکھے گا۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ آنے والے کل کی دنیا کا دین اسلام ہے اور آنے والی تاریخ پرہیزگاروں کی تاریخ ہوگی لکھی جانے والی تاریخ کافروں کے تسلط کی شکست کی تاریخ ہوگی اور وہ دین اسلام جو

۱۔ موسوی اصفہانی، ۱۳۸۵، ۱: ۱۲۱

۲۔ «وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِینَ آمَنُوا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ مِنْ قَبْلِہِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِینَہُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَہُمْ»
نور: ۵۵

۳۔ حسینی مرعشی، ۱۴۰۶، ۱۴: ۳۷۶

۴۔ مجلسی، ۱۴۰۳، ۵۱: ۵۵

اللہ کی نظر میں محبوب ہے اور اس کی رضا کا حامل ہے وہی دین جس کی حکومت کے سایے میں امنیت حقیقی قائم ہوگی اسی دین کا دنیا میں بول بالا ہوگا۔

جو کچھ اس سے قبل کہا گیا ہے اس کی روشنی میں حیات طیبہ کی بنیادی شرط ایمان و عمل صالح کا ساتھ ساتھ ہونا ہے اور ان دو آیتوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر ان کے تحقق کے شرائط پر نظر ڈالتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حیات طیبہ کا بہترین مصداق اس دنیا میں امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی عادلانہ حکومت ہے اب جبکہ حیات طیبہ کا آغاز اسی دنیا میں ہے واضح ہوتا ہے کہ قرآنی اسلوب حیات کا ظہور و بروز بھی اسی دنیا میں ہے اور آخرت میں بھی حیات طیبہ کے حامل افراد کو اللہ کی جانب سے بہترین جزا دی جائے گی۔

البتہ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ روایات جو حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی حکومت کی خصوصیات کے طور پر وارد ہوئی ہیں اگر ان کو دیکھا جائے تو حیات طیبہ کا یہ تصور اور بھی ذہن میں گہرا ہوتا ہے۔ روایات میں حکومت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو "مدینہ فاضلہ" سے تعبیر کیا گیا ہے اور جن خصوصیات کو مدینہ فاضلہ کے معیار و صفات کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس سے مدینہ فاضلہ اور حیات طیبہ کے درمیان گہرے تعلق اور دونوں کی قربت کا پتہ چلتا ہے اور ہمارے لئے واضح ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر قریب ہیں[۱] روایات میں حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ناصروں کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ کچھ یوں ہیں :

۱۔ خدا طلبی

خدا طلبی و توحید پرستی امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب و ناصروں کے عقائد و خصائل میں سر فہرست ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو شائستگی کے ساتھ پہچانا اور جن کا مکمل وجود جلوہ نور الٰہی میں غرق ہے جن کے سینے خالص ایمان سے لبریز ہیں ایسا ایمان ان کے سینوں میں موجزن ہے جہاں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۱۔ طبرسی، ۱۳۶۰، ۱۴: ۴۵-۴۸

امام صادق علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں : یہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل لوہے کی طرح مضبوط ہیں اتنے مضبوط کہ شک کا غبار اس میں داخل نہیں ہو پاتا یہ اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے والے ہیں۔ [1]

۲۔ بندگی و عبادت

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھیوں کی خصوصیات میں اہم خصوصیت عبادت و بندگی ہے، عبادت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھیوں کی نظر میں لینے اور دینے والا معاملہ نہیں کہ خدا کے لئے کچھ کریں تو کچھ انہیں ملے بلکہ ان کی عبادت خداوند متعال کے حضور انسان کی جانب سے شکر کی عالی ترین منزل اور خدا کی نعمتوں کے مقابل عالی ترین جواب ہے جو شکر کے پیرایے میں یہ لوگ ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ وہ عبادت ہے جو آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں : گویا میں حضرت قائم عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے قائم اور ان کے ساتھیوں کو نجف اشرف میں دیکھ رہا ہوں ان کا ساز و سامان ختم ہو گیا ہے ان کا لباس پرانا ہو کر پھٹ گیا ہے ان کی پیشانی پر سجدوں کے نشان نمایاں ہیں۔ [2] یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے روح بندگی اور راز و نیاز کو اپنے وجود میں رچا بسا لیا ہے اور خود کو ہمیشہ خدا کے حضور دیکھتے ہیں۔

۳۔ شجاعت

امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب میدان جنگ کے سورما جنگجو اور ان کے دل آہن پاروں کی طرح ہیں [3] دشمنوں کی کثرت سے ان کے دل میں کوئی خوف نہیں آتا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس چالیس مردوں کی طاقت ہے یہ میدان جنگ کے شیر ہیں انکی جانیں پتھر کی سلوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔ [4]

۴۔ فرمانبرداری

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب و ساتھیوں کی ایک اور خصوصیت اپنے مولا کی بے چون و چرا اطاعت ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مولا کے عاشق اور فرمانبردار ہیں امام حسن عسکری علیہ السلام اپنی عمر کے

۱۔ مجلسی، ۱۴۰۳، ۵۲: ۳۰۸

۲۔ مجلسی، ۱۴۰۳، ۵۳: ۷

۳۔ ایضاً

۴۔ صدوق، ۱۳۶۲، ۲: ۳۱۸

آخری دنوں میں امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ایک ایسی قوم تمہارے آستاں پر اکھٹا ہوگی جس کو خدا نے پاکیزہ فطرت اور قیمتی مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہوگا، یہ دینی فرمان پر تسلیم ہوں گے ان کے چہروں پر فضل و کمال کا نور ہوگا یہ حق پرست ہوں گے اور حق کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔[1]

۵۔ عدالت

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی خصوصیات میں ایک خصوصیت عدالت ہے ایسی عدالت جس کے ذریعہ دوسروں کے حقوق کی رعایت ہو اور ہر طرح کے ظلم و ستم سے پرہیز کیا جائے۔ یہ وہ عدالت ہے جو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھیوں کی زینت ہوگی، امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی عالمی حکومت کے اہم معیاروں میں ایک عدل و انصاف ہے ضروری ہے کہ آپ کی حکومت کے تمام اہلکار و تمام سپاہی انصاف پسند ہوں۔[2]

ان صفات کو اگر شمار کیا جائے تو یہ وہ ہیں کہ قرآن و روایات کی روشنی میں ان صفات کو نئی نسل کی تربیت کی راہ میں ایک نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، قرآن کریم نے چھ صفات امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ساتھیوں کے سلسلہ سے پیش کی ہیں ارشاد ہوتا ہے : اے صاحبان ایمان ! جو بھی تم میں اپنے دین سے پلٹ جائے تو ۱۔ عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جن کو خدا دوست رکھتا ہوگا ۲۔ وہ بھی خدا کو دوست رکھتے ہوں گے ۳۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو پرہیزگاروں کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے ، ۴۔ کافروں کے مقابل ڈٹے رہنے والے ہوں گے ،۵۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہوں گے ٦۔ کسی کی ملامت سے ڈرنے والے نہیں ہوں گے[3]۔

۱۔ مجلسی، ۱۴۰۳، ۵۲: ۳۰۸

۲۔ متقی ہندی، ۱۳٦۴، ۱۴: ۲٦۴

۳۔ «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ وَ لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ...» (مائدہ: ۵۴)

اس آیت کے علاوہ مذکورہ بالا روایات کے مصادیق کا ایک مصداق امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے اصحاب و ناصرین ہیں اب زندگی کے اصول و دستور کے احیاء اور ایک روش کے انتخاب کی ضرورت کے پیش نظر مہدوی طرز حیات کی وضاحت بھی ان مباحث میں سے ہے جو دور حاضر کے اسلامی نمونوں کے ساتھ عصری ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے پیش کی جائے ،ایک طرف سے فیشن کی آفت دوسری مغربی طرز حیات کی اندھی تقلید یہ وہ چیز ہے جسکا اسلامی طرز حیات سے کوئی جوڑ نہیں ہے اور یہی چیز اسلامی اسلوب حیات کو زندگی کے عادات واطوار میں جاری وساری کرنے کی ضرورت کو دو چنداں کر دیتی ہے وہ اسلوب حیات جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ مہدوی سماج سے نزدیک کر سکے۔

نتیجہ گفتگو

قرآن کریم میں ''حیات طیبہ'' کے عنوان سے ایک خاص روش حیات کو انسانوں کے لئے پیش کیا گیا ہے ،اس لحاظ سے کہ حقیقی حیات خداوند متعال کی ذات سے مخصوص ہے اور انسان کی زندگی واسکا کمال خدا کی راہ میں آگے بڑھنے سے ہے اسی بنیاد پر جہاں خلقت جو کہ مظہر رحمت الٰہی ہے ایک ایسی راہ کے طور پر بیان ہوا ہے جس پر چل کر ہر ایک وجود اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے وہ کمال جو مقام قرب الٰہی ہے جسے مقام خلیفۃ اللّٰہی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں خداوند متعال نے انسان کی حیات طیبہ کی طرف رہنمائی کی ہے وہ حیات جو ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر قائم ہے۔

جس کے آثار و نتائج عائلی زندگی و معاشرتی زندگی کی بہبود کا سبب ہیں ، انسان کی اس ایمان پر توجہ جو دل میں نہاں ہے لیکن عمل میں ظاہر ہوتا ہے معاشرے کو سالم بنانے میں مدد کرتی ہے ، اسی بنا پر مختلف افراد اس طرز حیات کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے مطابق مختلف کوششیں کرتے ہیں ، حیات طیبہ کا ظہور و بروز قیام حضرت حجت عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے قیام کے دوران معرفت حجت خدا کے سایے میں وقوع پذیر ہوگا اور عصر ظہور سے سازگار نسل کی تربیت اور زندگی کے قرآنی اسلوب پر عمل کے ساتھ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے ساتھیوں اور ناصروں کے صفات کو نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے اجتماعی وفردی زندگی میں قرآنی زندگی کی تصویر سامنے آئے گی۔

۱۔ طیب، ۱۳۷۸،۴: ۳۹۸

عصر غیبت میں مہدوی گھرانوں کی اہم تربیتی ذمہ داریوں میں ایک یہ ہے کہ ایسی باصلاحیت نسل کی تربیت کی جائے جو امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی آرزوں کی تکمیل کر سکے، حیات طیبہ کی طرف توجہ اور ایمان و عمل صالح کے سلسلہ سے پائداری یہ وہ چیز ہے جو معاشرے کو منجی بشریت کے ظہور کے لئے کوشاں رہنے کے سلسلہ سے آمادہ کرتی ہے۔

دنیاوی زندگی حیات طیبہ تک پہنچنے کے لئے ایک پل ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات نیز روایات کے مطابق حیات طیبہ کا تعلق اسی دنیا سے ہے، یہیں انسان حیات طیبہ کی دل آویزیوں سے محظوظ ہوگا، اب جبکہ حیات طیبہ کا آغاز اسی دنیا میں ہے تو قرآنی اسلوب حیات کی تجلی بھی اسی دنیا میں ہے اور یہ حیات طیبہ اتنی قیمتی ہے کہ اسکے دنیاوی اثرات اپنی جگہ، آخرت میں بھی ان لوگوں کو بہترین جزا دی جائے گی جو حیات طیبہ کے حامل ہیں۔

فہرست مآخذ

۱۔ قرآن کریم.

۲۔ نہج البلاغہ.

۳۔ ابن حنبل، احمد (۱۴۰۴ھ)، مسند، بہ تحقیق احمد محمد شاکر، مصر، مؤسسہ الکتب الثقافیہ.

۴۔ ابن عاشور، محمد بن طاہر (۱۹۹۹ء)، التحریر والتنویر، تونس، دار بوسلامۃ للنشر والتوزیع.

۵۔ پوراہینی، محمد باقر (۱۳۹۲)، سبک زندگی؛ منشور زندگی در منظر امام رضا علیہ السلام، مشہد، انتشارات: قدس رضوی.

۶۔ جوادی آملی، عبداللہ (۱۳۷۵)، تفسیر موضوعی قرآن کریم، تہران، مرکز نشر فرہنگی رجا.

۷۔ حسینی مرعشی، نوراللہ (۱۴۰۶ھ)، احقاق الحق، قم، نشر مکتبہ آیت اللہ مرعشی.

۸۔ راغب، حسین (۱۳۷۵)، مفردات، مکتبہ المرتضویہ، تہران.

۹۔ سجستانی، ابوداود بن اشعث (۱۴۱۰ھ)، سنن ابی داود، تحقیق سعید محمد اللحام، بیروت، انتشارات: دار الفکر للطباعہ والنشر والتوضیح.

۱۰۔ سیوطی، عبدالرحمان بن ابی بکر (۱۴۱۴ھ)، جامع الاحادیث: للجامع الصغیر وزوائدہ والجامع الکبیر، دمشق، چاپ عباس احمد صقر واحمد عبدالجواد.

۱۱۔ طباطبائی، محمد حسین (۱۳۷۴ھ)، المیزان فی تفسیر القرآن، بیروت، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات.

۱۲۔ طبرسی، فضل بن حسن (۱۳۷۲)، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، انتشارات: ناصر خسرو، تہران.

۱۳۔ طبری، محمد بن جریر (۱۴۱۲ ھ)، جامع البیان فی تأویل القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ.

۱۴۔ طیب، سید عبد الحسین (۱۳۷۸)، اطیب البیان، تہران، انتشارات: اسلام.

۱۵۔ عروسی الحویزی، عبد علی بن جمعۃ (۱۳۷۳)، نور الثقلین، قم، مؤسسہ اسماعیلیان.

۱۶۔ فاضل قانع، حمید (۱۳۹۲)، سبک زندگی بر اساس آموزہ ہای اسلامی (با رویکرد رسانہ ای)، قم، مرکز پژوہش ہای اسلامی صدا و سیما.

۱۷۔ قرشی، سید علی اکبر (۱۳۷۱)، قاموس قرآن، تہران دار الکتب الإسلامیۃ.

۱۸۔ ـــ (۱۳۷۷)، احسن الحدیث، تہران، انتشارات: بنیاد بعثت.

۱۹۔ قرطبی، ابن رشد (۱۴۰۵ ھ)، الجامع لاحکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ.

۲۰۔ کلینی، محمد بن یعقوب (۱۳۸۸ھ)، الکافی، تصحیح علی اکبر غفاری، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، انتشارات: الثالثۃ.

۲۱۔ متقی ہندی، علی ابن حسام الدین (۱۳۶۴ ھ)، کنز العمال، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، بعاصمۃ حیدر آباد.

۲۲۔ مجلسی، محمد باقر (۱۴۰۳ ھ)، بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار، مؤسسہ ی دار الوفاء، بیروت.

۲۳۔ مدرسی، سید محمد تقی (۱۴۱۹ ھ)، من ہدی القرآن، تہران: دار محبی الحسین.

۲۴۔ مصباح، محمد تقی (۱۳۸۰)، قرآن شناسی، تحقیق محمد رجبی، قم، مؤسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی. ;

۲۵۔ مصطفوی، حسن (۱۳۶۱)، التحقیق فی کلمات القرآن، تہران، دار الکتب الاسلامیہ.

۲۶۔ مکارم شیرازی، ناصر (۱۳۸۲)، نمونہ، تہران، دار الکتب الاسلامیہ.

۲۷۔ موسوی اصفہانی، محمد تقی (۱۳۸۵)، مکیال المکارم، قم، انتشارات: مسجد مقدس جمکران.

---

[1]. ایم فل علوم قرآن وحدیث-masoud.t.m1990@gmail.co